ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

پاکستانی ادب پر کارل مارکس کے نظریات کا اثر

طاہرہ آسی
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
وزیٹنگ لیکچرار، شعبہ اُردو، گورنمنٹ خواجہ رفیق شہید کالج، والٹن روڈ لاہور
رانا مبشر لطیف خاں
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
روبیہ مریم
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Abstract:
The ideas of Karl Marx's have left a deep and lasting impression on Pakistani literature. Under the influence of these ideas, Pakistani writers have included important themes such as social injustice, class division, exploitation of the poor and labour rights in their writings. On the basis of Marx's ideas, a new consciousness was born in the literary world, which made the writers more sensitive and active towards social problems. The Marxist approach has tried to merge literature and society into one. He has tried to adopt every realistic approach that has arisen in the society. Marxist literature is connected with the life of ordinary people. Which reveals their political, economic, social and moral aspects. The Pakistani poets and writers who have presented realism in literature keeping in view the social activities and social life, that literature falls under the category of Marxist literature. Marxism influences both society and literature. Where Marxist ideology has influenced other schools of thought, Pakistani literature could not remain without being influenced by it.

Key words:
Realism , Impression , Literature , Influnce, Exploitation , Sensitive , Approach , Economic , Society , Ideolology , Marxist.

ہر ادیب و شاعر کی اپنی ایک منفرد فکری دنیا ہوتی ہے، جس کے ذریعے وہ حیات و کائنات کی تعبیر کرتا ہے۔ اپنے فکری موقف سے ادبی میزان ترتیب دیتا ہے، زندگی کے رنگوں کو اپنے نظریے کی عینک سے دیکھتا اور پیش کرتا ہے۔ مارکسیت بھی انہی نظریات میں سے ایک ہے، جس نے تاریخ کے مختلف دوروں کو عبور کرتے ہوئے اشتراکیت کی شکل اختیار کی۔ کارل مارکس (1883ء-1818ء) اس نظریے کا بانی ہے۔ وہ ایک فلسفی، ماہر معاشیات، تاریخ دان، ماہر سماجیات، سیاسی مفکر اور صحافی تھے۔ ان کی وجہ شہرت ان کی کتاب "داس کیپیٹل" (1867ء) بنی۔ کارل مارکس کے سماج، معیشیت اور سیاست کے بارے میں تنقیدی تصورات کو عام طور پر مارکسزم کہا جاتا ہے۔ لینن اور اینگلز اس کے نمایاں اور نامور نمائندے ہیں۔ کارل مارکس اپنی تصنیفی زندگی کے آغاز میں جمالیات کے موضوع پر کتاب لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن 'سرمائے' کی حقیقت معلوم کرنے میں وہ اس قدر زیادہ محو ہو گیا کہ وہ یہ کام نہ کر سکا۔ انھوں نے مارکسی جمالیات کو ادب کے تناظر میں دیکھا ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین اس نظریے کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

"جمالیات کا تعلق اس نظریے سے ماسوا حسن اور حسین اشیاء کی حقیقت دریافت کرنے سے بھی ہے۔"

(۱)

کارل مارکس کے مارکسی نظریے نے ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ انھوں نے اپنے مارکسی نظریے کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا ہے۔ مارکسزم کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کے نظریات پر مبنی ایک فلسفہ اور معاشی و سماجی نظریہ ہے۔ اس کا پس منظر انیسویں صدی کے صنعتی انقلاب اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاشی و سماجی عدم مساوات میں پایا جاتا ہے۔

مارکسزم کی بنیاد یہ ہے کہ انسانی معاشرہ طبقاتی استحصال کی بنیاد پر قائم ہے۔ محدود اشرافیہ لامحدود وسائل پر قابض ہے جبکہ عوام کے حصے میں محدود وسائل آتے ہیں۔ دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہے۔ سیاسی نظام اور سرمایہ دارانہ معیشت کی بنیاد واصل ظالمانہ ہے۔ یوں حکمران، بااثر طبقے اور عوام کے مابین ایک کشمکش جاری

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

ہے۔مارکس کو انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ اثر انگیز شخصیات میں سے ایک مانا جاتا ہے۔ان کے نظریات کا اتباع اور مخالفت دونوں بہت زور وشور سے ہوئی ہیں۔کئی مفکرین مزدور یونینز، فنکار اور سیاسی جماعتوں نے دنیا بھر میں مارکسی نظریات کو اپنایا ہے۔

فریڈرک اینگلز جو مارکس کے قریبی دوست تھے انھوں نے مارکس کے ساتھ مل کر 'کمیونسٹ فیمنسٹو' لکھا اور مارکس کے نظریات کی ترویج میں ہم کردار ادا کیا۔انھوں نے جدلیاتی مادیت کا نظریہ پیش کیا کہ تاریخ طبقاتی جدوجہد پر مبنی ہے۔جس میں مختلف طبقے ایک دوسرے کے خلاف حالت جنگ میں رہتے ہیں۔مارکس نے سرمایہ داری کو مزدوروں کے استحصال کی بنیاد پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ان کا یہ کہنا تھا کہ یہ نظام امراء کو امیر تر اور غرباء کو غریب تر بناتا چلا جائے گا۔ان کا حتمی مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا، جس میں کوئی طبقاتی تفریق نہ ہو۔تمام وسائل اور پیداوار مشترکہ ملکیت میں ہوں۔مارکس نے اپنے فلسفے میں انسان اور مادی دنیا کو بنیادی اہمیت دی۔ اینگلز کا کہنا ہے کہ جب بہت سے افراد کے ارادے عملی صورت اختیار کر لیں تو فیصلہ کن نتائج برآمد ہوتے ہیں۔انسان کے یہ ارادے معاشرتی تغیر و تبدل سے مرتب ہوتے اور بالآخر انقلاب کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔جب انقلاب سے معاشرے کا سماجی ڈھانچہ تبدیل ہوتا ہے تو وہ تمام علوم و فنون جو معاشرے کے خارج سے غذا حاصل کرتے ہیں، منقلب ہو جاتے ہیں اور ایک ایسا ادب وجود میں آتا ہے جو معاشرے کے ارتقا میں ممد و معاون ہوتا ہے۔مارکس کے فکری افق نے ادب کو نئی جہتیں عطا کیں، جہاں ادیب کا تخلیقی سفر نامعلوم کی بے کراں وسعتوں سے ہٹ کر معلوم کی مضبوط زمین پر استوار ہوا۔ادب میں مادیت کی روح نے اپنی جگہ بنائی۔مارکس نے فکر کو ماحولیاتی اور سماجی حالات کا محتاج بنا دیا، ادب کو ایک متعین سماجی مقصد کی طرف موڑ دیا۔مارکسیت نے ادب کو ایک ایسی تحریک کے طور پر پیش کیا جس نے نہ صرف سوشلسٹ حقیقت نگاری کی بنیاد رکھی بلکہ زندگی کے مادی پہلوؤں کو اہمیت دی، جس سے انسانی روحانی جذبات کی انکاریت کا دور شروع ہوا۔ڈاکٹر محمد حسن نے مارکسیت کے اس پہلو کو اپنی تحریروں میں یوں بیان کیا ہے:

> "مارکسیت نے زندگی کے بارے میں ایک مخصوص نظریہ پیش کیا ہے چونکہ اس نظریے کی نوعیت ہمہ گیر ہے۔لہٰذا اس کا اطلاق انسانی زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ادب پر بھی ہو سکتا ہے۔"(۲)

مارکسی نقطہ نظر کے مطابق ادب و سماج ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔ادب پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ سماج کے بدلتے ہوئے حالات و واقعات کے پس منظر میں رونما ہوتے ہیں۔مارکسی مکتب فکر کے تحت ادیب اور شاعر جب کوئی فن پارہ تخلیق کرتا ہے تو اس کے فن پارے میں جو تخلیقی جوہر رونما ہوتے ہیں، ان میں سماج کی جھلک کارفرما ہوتی ہے۔اس کے تخلیق کردہ ادب میں جو اثرات ہوتے ہیں وہ مادی زندگی سے متاثر ہو کر پیدا ہوتے ہیں۔

مارکس کے فکری انقلاب نے اپنی کامیابی کی اصل پہچان روسی سرزمین پر لینن کی قیادت میں 1917ء کے انقلاب کے بعد پائی، جہاں بالشویکوں نے مارکس کے خوابوں کو حقیقت کا روپ دیا اور پرولتاری نظام کی بنیاد رکھی۔روسی انقلاب نے انسانیت کے لیے نئی امید کی کرنیں بکھیریں۔سماجی مساوات کے اس عظیم تصور نے عالمی ادباء کو متاثر کیا، جس سے دنیا کے کونے کونے میں مارکس کے افکار کو زندگی کی اصل معنویت کے طور پر دیکھا گیا۔ذاتی آزادی، پیداواری منافع کی مساوی تقسیم، اور معاشی ترقی کے ان معیارات کو اہمیت دی گئی۔ادب کو ان نظریات کی ترویج و توسیع کا ذریعہ بنایا گیا۔

مارکسزم نے بیسویں صدی میں بہت سی انقلابی تحریکوں کو متاثر کیا۔جن میں روسی انقلاب (1917ء)، چینی انقلاب (1949ء) اور کیوبن انقلاب (1959ء) شامل ہیں۔بہت سے ممالک نے مارکسزم کے اصولوں پر مبنی حکومتیں قائم کیں۔جیسے سویت، یونین، چین اور دیگر سوشلسٹ ریاستیں۔اس تحریک کا مقصد ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا تھا، جہاں ذرائع پیداوار کی ملکیت مشترکہ ہو اور طبقات کا خاتمہ ہو۔اس نظریے نے مختلف ممالک میں مزدور تحریکوں کو متاثر کیا اور بیسویں صدی میں کئی کمیونسٹ حکومتوں کے قیام کا سبب بنا۔اس تحریک کے مختلف پہلو اور اثرات آج بھی دنیا کے مختلف حصوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔مارکسی تحریک میں لینن کے خیالات مختلف نوعیت کے ہیں۔بقول لینن:

> "ادب میکانکی یک سطحیت اور اقلیت پر اکثریت کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کرتا اور اس شعبے میں بلاشبہ ذاتی پہل قدمی، انفرادی صلاحیت، خیال و تصور، ہیت اور مواد کو زیادہ وسیع میدان دینے کی ضرورت ہے۔"(۳)

ادب اور فن کے بارے میں لینن کے خیالات کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی لیکن اس کے مطالبے پر شدت سے عمل کیا گیا۔اس سلسلے میں لینن کے مطابق:

> "ادب کو پرولتاریہ کے مشترکہ مقصد کا جزو بننا چاہیے۔"(۴)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

مارکسی تحریک کے معمار ماؤزے تنگ نے ادبی دنیا کو انقلاب کی صفوں میں شامل کرنے کی دعوت دی۔ ان کی تشویش یہ تھی کہ کئی قلمکار پارٹی کے موقف کی صحیح ترجمانی نہیں کر پا رہے اور بہکی راہوں پر چل پڑے ہیں۔ نتیجتاً ہیگل کی تصوراتی اہمیت کے مقابلے میں مارکس کی مادیت نے ایک نئی عینیت کو جنم دیا اور اس عینیت کو ایک مثالی نظام میں ڈھالنے کے لیے ادب ایک سماجی وسیلہ بن گیا۔ ادیب کی حیثیت معاشرے کی اجتماعی مشین میں ایک پرزے کے مانند ہو گئی۔ اس نظریے کے مطابق فن کار فن کا خالق نہیں بلکہ اس مادی شے کو تخلیق کرتا ہے جو پرولتاری نظام کی ترقی میں معاونت اور پرولتاری ذہن کی نمائندگی کرتی ہے۔ چنانچہ اس کے خلاف رد عمل پیدا ہوا اور اسے ادیب کی ذہنی آزادی پر حملہ تصور کیا گیا۔ اعتراض یہ تھا کہ عقلی تجزیہ کو اہمیت حاصل ہے لیکن اپنا عقیدہ منوانے کے لیے اتنا اصرار کیا جاتا ہے کہ انسان کی آزاد سوچ معطل ہو جاتی ہے۔ ادیب کو فن کے واسطے سے معاشرے کے ساتھ جو وابستگی ہے وہ نہ صرف مجروح ہوتی ہے بلکہ نظریاتی تحریک کا کمزور پہلو ہے۔

مارکسی تحریک نے ادب کی فکری بنیادوں کو نہ صرف چھوا بلکہ ادیبوں کو عوامی زبان میں ادب پیش کرنے کی رہنمائی بھی فراہم کی۔ اس تحریک نے ادب کو انسانیت کے دل سے جوڑ دیا اور ادب کی مبہم غیر جانبداری کو مکمل طور پر مسترد کر دیا۔ اس تحریک کی بنیادی دلیل یہ تھی کہ جب معاشرتی ڈھانچہ طبقاتی تفریق پر قائم ہے، تو ادب کیسے غیر طبقاتی ہو سکتا ہے؟ اسی بنا پر پرولتاری ادب کی تخلیق کو فروغ دیا گیا اور ادب کی غیر جانبداری کو انقلابی و ترقی پسندانہ جدوجہد کی مخالفت کے مترادف قرار دیا گیا۔ مارکسی تحریک نے زندگی کی جامعیت اور صداقت کو حقیقت نگاری کے ساتھ پیش کرنے کی تاکید کی۔ اس تحریک نے ادبی تنقید کے افق کو بھی وسعت دی۔ انسانیت اور زندگی کے تناظر میں مارکسی تحریک نے ادب کی ایک نمایاں تحریک کے طور پر اپنی شناخت بنائی ہے، جس کے عالمی اثرات نے دنیا بھر کے ادب کو متاثر کیا ہے۔ کوئی بھی ادیب اس تحریک کے اثرات سے خود کو الگ نہیں کر سکا ہے۔

کارل مارکس کے نظریات اور فلسفے نے پاکستانی ادب پر گہرے نقوش مرتب کیے ہیں۔ مارکس کا نظریہ ادب برائے ادب کی بجائے ادب برائے زندگی رہا جس میں تخلیق کار اپنے فن پارہ میں مفلوک الحال اور محنت کش طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ مارکس کے سیاسی، اقتصادی اور سماجی نظریات نے دنیا بھر کے ادب پر اثر ڈالا تو پاکستانی ادب بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہ سکا۔ مارکس کے نظریات نے پاکستانی مصنفین، شعراء اور دانشوروں کو متاثر کیا۔ خصوصاً وہ لوگ جو سماجی انصاف، معاشرتی برابری اور استحصال کے خلاف لکھتے رہے۔ 1936ء میں برصغیر پاک و ہند میں ترقی پسند تحریک وجود میں آئی تو ادب میں سوشلزم اور کمیونزم کے نظریات کا پرچار ہونے لگا۔ شعراء، افسانہ نگاروں اور دیگر اصناف تخلیق کرنے والوں نے مارکس، اینگلز اور لینن کے نظریات کے تحت ادب تخلیق کرنا شروع کیا۔ انھوں نے مارکس کے نظریات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ یہ تحریر مارکسزم کے اصولوں پر مبنی تھی۔ اس کا مقصد ادب کو سماجی تبدیلی کا ذریعہ بنانا تھا۔ مارکس کی طبقاتی جدوجہد اور معاشرتی انصاف کی تحریک نے ادیبوں کو معاشرتی مسائل، سماجی ناہمواری، ظلم و جبر، غربت، استحصال اور طبقاتی تقسیم کے موضوعات پر لکھنے کی تحریک دی۔

مارکسی فلسفہ کائنات کی خوبصورتی اور جمالیات کو بھی تسلیم کرتا ہے، اور ادب کے اس جہت کو معاشی توازن کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اگر معاشرے میں دولت کی منصفانہ تقسیم ہو، تو پرولتاریہ کی ذہنی و جسمانی ترقی یقینی ہے، جس سے انسانی زندگی جمالیاتی اقدار سے مزین ہو گی۔ انسانی فکر اپنی مواد سماج کے کون سے محرکات سے حاصل کرتی ہے۔ اس بابت ظہیر کاشمیری کے قلم سے نکھرے ہوئے خیالات موجود ہیں:

> "انسانی ذہن کا ہر مواد جہاں سماجی محرکات سے ترتیب پاتا ہے وہاں اس میں ذاتی قوتوں کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔ اس لیے کوئی ذہنی کیفیت بھی نہ تو کلیتاً داخل ہوتی ہے اور نہ ہی خارجی بلکہ اس میں خارجی اور داخلی عناصر بیک وقت موجود ہوتے ہیں۔ یہی وہ تھیوری ہے جس پر مارکسی ادب و تنقید کی بنیاد ہے۔ مارکسی ناقد نہ تو اپنے آپ کو ادب کے داخلی اور وجدانی تجربوں تک محدود رکھتا ہے اور نہ ہی وہ ادب میں محض خارجیت کو تلاش کر کے ادیب کی ذات کی نفی کرتا ہے۔"(۵)

ادب کسی بھی دور میں تخلیق کیا گیا ہو وہ اس دور کی عکاسی کرتا ہے جس میں تخلیق کیا گیا ہو۔ ادیب اور شاعر اپنے عہد کے حالات و واقعات کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ جس سے ان کے ذہن کی داخلی کیفیات پروان چڑھتی ہیں۔ ان کیفیات کی وجہ سے ان کے احساسات و جذبات ابھرتے ہیں اور ذہن میں سماجی محرکات ترتیب پاتے ہیں۔ وہ سماجی رویوں کو داخلی اور خارجی دونوں طرح سے محسوس کرتے ہیں۔ مارکسی ادب کی بنیاد بھی انھی پہلوؤں کی مرہون منت ہے۔

کارل مارکس کے نظریات نے پاکستانی ادب کے ہر پہلو کو متاثر کیا۔ خاص طور پر شاعری، افسانہ اور ناول میں۔ غزل اور نظم میں موضوعاتی تبدیلیوں نے جنم لیا۔ غزل جو عموماً عشق و محبت، جدائی اور رومانوی موضوعات پر مبنی ہوتی ہے۔ مارکس کے نظریات کی روشنی میں سماجی و طبقاتی جدوجہد کے عکاس بن گئی۔ غزل کے موضوعات میں مزدوروں اور غربت جیسے مسائل کو مدنظر رکھا جانے لگا۔ مارکسزم کے نظریات سے متاثر ہونے والے شعراء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے اکثر

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

شعراء خیالات و نظریات ہی میں نہیں بلکہ انداز اور اسلوب میں بھی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ جو شعراء زیادہ معروف ہیں ان میں فیض احمد فیض، اسرار الحق مجاز، علی سردار جعفری، جوش ملیح آبادی، مخدوم محی الدین، جاں نثار اختر، احمد ندیم قاسمی، معین احسن جذبی، کیفی اعظمی، ظہیر کاشمیری، قتیل شفائی، منیر نیازی، ساحر لدھیانوی، سرمد صہبائی اور احمد فراز ایسے مزاحمتی شعراء شامل ہیں۔

فیض احمد فیض پاکستان کے معروف شاعر ہیں جنھوں نے مارکسی نظریات سے متاثر ہو کر اپنے شعری مجموعے تخلیق کیے۔ ان کی شاعری میں طبقاتی جدوجہد، محنت کشوں کے حقوق اور استحصالی نظام کے خلاف آواز بلند کی گئی۔ ان کی شاعری مارکسی نظریات سے منعکس ہے 'بول کے لب آزاد ہیں تیرے' اور 'ہم دیکھیں گے' جیسی نظمیں اس کی مثال ہیں۔ ان کی غزل 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' میں عشق کی بجائے سماجی مسائل اور طبقاتی جدوجہد کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ان کی مشہور نظم "انقلاب" کا شعر ملاحظہ کیجیے:

یہ داغ داغ اجالا ، یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا ، یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں (٦)

یہ اشعار اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ فیض سیاسی و سماجی تبدیلی کے خواہاں تھے۔ انھیں کسی دیے کی تلاش تھی جس کے لیے وہ سرگرداں تھے۔

حبیب جالب کی نظمیں مارکسی نظریات کی واضح عکاس ہیں۔ ان کی نظم 'دستوری' میں حکومت اور نظام کے خلاف بغاوت اور عوام کے حقوق کی بات کی گئی۔ ساحر لدھیانوی بھی اپنی شاعری میں سماجی مسائل اور مزدوروں کے حقوق کی بات کرتے ہیں جو کہ مارکسزم کے اصولوں سے متاثر ہو کر لکھی گئی۔ ان کی شاعری میں عوام کے دل کی گہرائیوں کی صدا گونجتی ہے، جسے وہ نہایت سادگی اور دلکشی سے نظم کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے اشعار کی سلاست ایسی کہ ہر پڑھنے والا ان کے معانی کو آسانی سے گرفت میں لے لیتا ہے، مگر ان میں فنکاری کی وہ باریکی بھی ہوتی ہے جو دانشوروں کو بھی داد دینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ احمد فراز کی شاعری میں انسانیت کی بہتری، انقلابی جذبات اور ظلم کے خلاف بلند بانگ آواز کی گونج سنائی دیتی ہے۔

ان شعراء نے اپنی شاعری کے ذریعے نہ صرف مارکسی نظریات کو پیش کیا بلکہ سماجی انصاف اور طبقاتی جدوجہد کے موضوعات پر روشنی بھی ڈالی ہے۔ ان کی شاعری پاکستانی ادب میں ایک اہم مقام کی حامل ہے، جو عوام کو نا صرف سیاسی و سماجی مسائل پر سوچنے کی ترغیب دیتی ہے بلکہ ان مسائل کو عوام کے سامنے پیش کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے۔

مارکس کے نظریات نے جہاں شاعری کو متاثر کیا وہیں افسانے پر بھی دیرپا اثرات مرتب کیے۔ خاص طور پر سماجی انصاف، طبقاتی تقسیم اور مزدوروں کے حقوق کے حوالے سے گہرے نقوش پائے جاتے ہیں۔ ان نظریات کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف ادیبوں نے اپنے افسانوں میں معاشرتی مسائل کو اجاگر کیا۔ کارل مارکس کے نظریات سے جو افسانہ نگار متاثر ہوئے ان میں پریم چند، سعادت حسن منٹو، حیات اللہ انصاری، احمد علی، رشید جہاں، اختر حسین رائے پوری، علی عباس حسینی، اختر انصاری، راجندر سنگھ بیدی، سہیل عظیم آبادی، اختر اورینوی، ہاجرہ مسرور، شوکت صدیقی، کرشن چندر، احمد ندیم قاسمی، خواجہ احمد عباس، سید انور، اے حمید، انور عظیم عصمت چغتائی، عزیز احمد، غلام عباس، خدیجہ مستور اور ابراہیم جلیس وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے چند ایک افسانہ نگاروں کی مثالیں ذیل میں درج ہیں۔

سعادت حسن منٹو کا افسانہ "ٹوبہ ٹیک سنگھ" جو تقسیم ہند کے پس منظر میں لکھا گیا۔ اس میں ایک قیدی بشن سنگھ کی کہانی بیان کی جاتی ہے جو تقسیم کے بعد اپنی زمین اور شناخت کھو دیتا ہے۔ اس افسانے میں تقسیم اور طبقاتی تقسیم کی وجہ سے ہونے والے مسائل کی عکاسی کی جاتی ہے۔ بشن سنگھ کی بے یقینی اور دکھ طبقاتی نظام کی بدولت پیدا ہونے والی مشکلات کو ظاہر کرتے ہیں۔ منٹو کے ہاں سماج کے نچلے طبقے کے عموماً ایسے کرداروں کی کثرت ہے جو سماج میں اپنی اہمیت تو رکھتے ہیں لیکن عزت نہیں رکھتے۔ جن کی ضرورت تو محسوس کی جاتی ہے لیکن ان سے محبت نہیں کی جاتی۔ جنھیں سماج کا اعلیٰ طبقہ اپنے مفاد کے لیے استعمال تو کر سکتا ہے لیکن ذلیل اور پست سمجھتا ہے۔ بظاہر ذلت و پستی میں زندگی گزارنے والے ان افراد کی معصومیت نیکی، دردمندی اور انسانیت کو منٹو نے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ ان کے افسانے کھول دو، کالی شلوار، ہتک اور ٹھنڈا گوشت معاشرتی تضادات اور ظلم کو نمایاں کرتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

احمد ندیم قاسمی کی شاعری اور نثر میں مارکسی نظریات کی واضح جھلک ملتی ہے۔ ان کی شاعری میں کسانوں، مزدوروں کے مسائل اور ان کی جدوجہد کو پیش کیا گیا ہے۔ ان کے ایک افسانے "گڈریا" میں ایک چرواہے کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ جو محنت و مشقت سے اپنی گزر بسر کرتا ہے لیکن اسے سماج کے طاقتور طبقے کے استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گڈریے کی زندگی اور اس کی جدوجہد مارکس کے طبقاتی جدوجہد کے نظرے کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ افسانہ معاشرتی ناانصافی اور طبقاتی تقسیم کے مسائل کو اجاگر کرتا ہے۔

عصمت چغتائی کے افسانے "لحاف" میں ایک عورت کی جنسی مشکلات اور سماجی دباؤ کے بارے میں ہے۔ اس میں عورتوں کے حقوق اور ان کی آزادی کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ اس میں جنسی اور سماجی جبر کے خلاف آواز بلند کی گئی ہے۔ جو مارکس کے نظریات کے مطابق معاشرتی انصاف اور برابری کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ کارل مارکس کے نظریات نے پاکستانی افسانے میں سماجی مسائل، طبقاتی جدوجہد اور مزدوروں کے حقوق کے موضوعات کو نمایاں طور پر متاثر کیا ہے۔ جن کی عکاسی مختلف ادیبوں کے کام میں دیکھی جاسکتی ہے۔

جہاں کارل مارکس کے نظریات سے پاکستانی ادب کی دوسری اصناف متاثر ہوئیں، وہیں ناول میں بھی ان کے دورس اثرات نظر آتے ہیں۔ ان میں خاص طور پر طبقاتی جدوجہد، سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت اور محنت کش طبقے کی حمایت کے موضوعات ملتے ہیں۔ جو ناول نگار مارکس کے نظریات سے متاثر ہوئے ان میں عبداللہ حسین ، شوکت صدیقی، سجاد ظہیر، انور سجاد، مستنصر حسین تارڑ، بانو قدسیہ، عصمت چغتائی، خدیجہ مستور، حسینہ معین، ممتاز مفتی، صدیق سالک، جمیلہ ہاشمی، اکرام اللہ، قراۃ العین حیدر، محمد خالد اختر اور خواجہ احمد عباس وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں درج ہے۔

عبداللہ حسین کا ناول "اداس نسلیں" 1963ء میں شائع ہوا۔ اس میں تقسیم ہند سے پہلے اور بعد کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ ناول میں مارکسی نظریات طبقاتی جدوجہد کے حوالے سے نمایاں ہیں۔ خاص طور پر زمیندار اور کسان کے درمیان تضاد اور محنت کش طبقے کی زندگی کی مشکلات کو واضح کیا گیا ہے۔ سجاد ظہیر کے ناولٹ "لندن کی ایک رات" میں سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت اور مزدور طبقے کی حالت زار کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس میں طبقاتی جدوجہد اور سرمایہ دارانہ استحصال کے موضوعات پر زور دیا گیا ہے۔

انور سجاد کے "ناول خوشبو کا سفر" میں بھی مارکسی نظریات کا تلاطم برپا ہے۔ اس ناول میں سماجی و معاشرتی ناہمواریوں، غریبوں کی حالت زار اور سرمایہ دارانہ نظام کے استحصال کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

بانو قدسیہ کے ناولز میں مارکسی نظریات کا اثر بہت کم ہے۔

لیکن ان کے کاموں میں معاشرتی ناہمواری اور انسانی مسائل کا عمیق تجزیہ موجزن ہے۔ ان کے ناول "راجہ گدھ" میں معاشرتی اور اخلاقی مسائل پر عمیق نظر ڈالی گئی ہے۔ غربت اور طبقاتی فرق کو کہانی کے پس منظر میں پیش کیا گیا ہے۔ جو مرکزی نظریات سے جزوی طور پر مطابق رکھتا ہے۔ عصمت چغتائی کے تخلیق کردہ ادب میں مارکسی نظریات کی جھلکیاں عیاں ہیں۔ خاص طور پر طبقاتی جدوجہد اور خواتین کے حقوق کے حوالے سے۔ ان کے ناول "ٹیڑھی لکیر" میں ایک نوجوان لڑکی کی کہانی بیسن کی گئی ہے۔ جو معاشرتی ناہمواریوں اور طبقاتی فرقوں کا شکار ہے۔ عصمت چغتائی نے اس ناول میں سماجی مسائل اور طبقاتی فرق کو بہترین انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

خدیجہ مستور کے ناول "آنگن" کو تقسیم ہند کے پس منظر میں تخلیق کیا گیا۔ اس میں انھوں نے طبقاتی جدوجہد، غربت اور سماجی ناہمواری کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ خدیجہ مستور نے مارکسی نظریات کو بڑے دلنشیں انداز میں اپنی تحریروں میں اپنایا ہے۔

جمیلہ ہاشمی نے بھی طبقاتی فرق، غریبوں کی حالت زار اور استحصالی نظام کی عکاسی کی ہے۔ ان کے ناولز میں غریب و امیر کے درمیان کی کشمکش اور سماجی ناانصافی کے مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ جو کارل مارکس کے طبقاتی جدوجہد کی کے نظریات کی عین عکاسی کرتے ہیں۔ حجاب امتیاز علی کے ہاں زیادہ تر رومانی اور روحانی موضوعات پائے جاتے ہیں۔ ان کا ناول "مہندی کی ایک رات" اگرچہ براہ راست مارکسٹ نہ سہی لیکن سماجی ناانصافی اور طبقاتی فرق جیسے موضوعات کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ جو مارکسی نظریات کے تناظر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح مستنصر حسین تاڑڑ کے ہاں بھی سماجی مسائل اور طبقاتی فرق کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ان کی تحریریں مختلف موضوعات کا پتی دیتی ہیں لیکن غریبوں کی حالت زار، سماجی ناانصافی کے موضوعات اکثر ان کے ہاں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں مارکس کے نظریات منعکس ہیں۔ اس ضمن میں ان کے ناول بہاؤ، خس و خاشاک زمانے میں اور پیار کا پہلا شہر زندہ مثالیں ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

"خس و خاشاک" زمانے میں سماجی ناانصافی اور طبقاتی فرق کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ اس میں کہانی کے کردار ان ناانصافیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جو مارکس کے نظریات کے مطابق ہیں۔

خواجہ احمد عباس کے ناول "انقلاب" میں انقلابی خیالات کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس ناول کے کردار ایک بہتر معاشرے کے قیام کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ ان کے ناول "ساتھی" میں غریبوں کے حقوق کی بات کی گئی ہے۔ اس میں ناول کے کردار غربت اور استحصالی نظام کے خلاف لڑتے ہیں۔ جو مارکس کی نظریاتی جدوجہد کی ترجمانی کرتا ہے۔

ان مصنفین کے ہاں کارل مارکس کے نظریات عیاں ہیں۔ ان سب نے اپنے اپنے انداز میں سماجی ناانصافی، معاشرتی ناہمواری، طبقاتی فرق اور امیر و غریب کے استحصال جیسے موضوعات کو اجاگر کیا ہے جو کارل مارکس کے نظریات کے عکاس ہیں۔

علاوہ ازیں مارکسی نظریات کے تحت عالمی ادب کا ترجمہ کیا گیا۔ پاکستانی ادب کے تنقیدی جائزہ میں بھی مارکسی نقطہ نظر کو اپنایا گیا۔ ان تمام پہلوں سے عیاں ہے کہ کارل مارکس کے نظریات نے پاکستانی ادب کو نیا رخ دیا اور اسے معاشرتی اور طبقاتی مسائل پر توجہ دینے پر مجبور کیا۔ مارکسی نقادوں نے مارکس، لینن، اور اینگلز کے فکری ڈھانچے سے اپنی تنقیدی بصیرت تشکیل دی اور ادب کو معاشرتی جدوجہد کے لیے ایک مؤثر آلہ کے طور پر استعمال کرنے کی راہ دکھائی۔ پاکستان کے ادبی منظر نامے میں اختر حسین رائے پوری، سجاد ظہیر، مجنوں گورکھ پوری، ڈاکٹر اعجاز حسین، پروفیسر احتشام حسین، پروفیسر آل احمد سرور، عزیز احمد، ڈاکٹر عبدالعلیم، فیض احمد فیض، اختر انصاری، علی سردار جعفری، اور ممتاز حسین کی شخصیات نمایاں ہیں۔ اختر حسین رائے پوری کا مضمون "ادب اور زندگی"، جو 1935ء میں منظر عام پر آیا، اپنے دور کی ادبی بوطیقا کے طور پر معروف رہا ہے۔ اس مضمون کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں پہلی بار روسی ادیبوں کے نام، حوالے، اور ان کے کارناموں کو تفصیل سے بیان کیا گیا تھا۔

اس وقت ترقی پسند تحریک کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ اس کا پہلا ڈرافٹ یہاں کے بہت سے لوگوں کے پاس آ چکا تھا لیکن 'ادب اور زندگی' لکھ کر ادب کی سطح پر پہلا پتھر اختر حسین رائے پوری نے پھینکا اور دیکھتے ہی دیکھتے سطح آب چھوٹی بڑی لہروں سے پر ہو گئی۔ انھوں نے بہت سارے مضامین لکھے، جن میں ادب اور زندگی کے رشتے اور مارکسزم کے مفہوم کی وضاحت کی۔ انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے 1943ء میں 'ادب اور انقلاب' کے نام سے شائع ہوئیں، اس عہد کے ذہنوں کی تربیت کی۔ لیکن ان کے یہاں نظریے کی شدت تھی اس لیے ایک طرف سے اس نے شدید ردعمل پیدا کیا تو دوسری طرف وہ خود زیادہ دنوں اپنے نظریے پر قائم نہ رہ سکے۔ حالانکہ اس صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں ان کی تحریروں کا جو اثر رہا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر انور سدید اختر حسین رائے پوری کی تنقید کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اختر حسین رائے پوری کا نظریہ ہے کہ آرٹ کا مقصد تلاش حسن نہیں بلکہ ادب زندگی کا ایک شعبہ ہے اور انسانیت اس سے اثر انداز ہوتی ہے۔ انھوں نے تقاضا کیا کہ ادب ان جذبات کی ترجمانی کرے جو دنیا کو ترقی کی راہ دکھائیں۔"(۷)

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری نے ادب کے مقصد کی نشاندہی تو کی، مگر ادب کی تخلیق کے پیچیدہ عمل کی گہرائیوں کو نہ جھانکا۔ انہوں نے قدیم و جدید ادب کو افادیت کے میزان پر تولا، جس میں کبھی کبھار شدت پسندی کی جھلک بھی نظر آئی۔ لیکن اس حقیقت کو ماننا لازم ہے کہ اختر حسین رائے پوری نے اردو تنقید کو مارکسیت کی روشنی سے آشنا کرایا اور تنقید کے فن کو نئی بصیرت بخشی۔ وہ مارکسی تنقید کے پیشرو اور معتبر نقاد کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کی کم مگر معیاری تحریریں ان کی تاریخی شناخت کو مستحکم کرتی ہیں۔

پروفیسر ممتاز حسین مارکسی نقطہ نظر کے قائل تھے۔ انھوں نے اپنی تصانیف میں مارکسی خیالات و تصورات کو پیش کیا۔ وہ ادب کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "دنیا کا وہ سارا ادب زندہ رہے گا جس نے انسان کی فطرت کے جبر انسان کے جبر، زندگی کے غلط تصورات سے آزاد ہونے میں مدد پہنچائی ہے اور وہ سارا ادب طاق نسیاں ہو جائے گا جس نے اس کی غلامی کو کسی بھی راستے سے منطبق کرنے کی کوشش کی ہے خواہ وہ کوشش غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو۔"(۸)

اردو ادب کے میدان میں قلمکاروں نے اپنی تنقیدی نگارشات کے ذریعے ادب کے تاریخی پس منظر، طبقاتی عناصر، اور سماجی عادات کو نمایاں کیا ہے۔ مارکسی تنقید کی لہر نے یورپ سے رخت سفر باندھ کر ہندوستان کی سرزمین کو اپنا مسکن بنایا۔ مارکسی تنقید کے آغاز سے قبل، ادب میں رائج عام تنقیدی انداز میں سماجی، معاشی، اور حقیقت پسندانہ رجحانات کو وہ گہرائی اور شدت سے محسوس نہیں کیا جاتا تھا جیسا کہ مارکسیت کے فکری دائرے نے کیا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

ماحصل یہ کہ کارل مارکس کے نظریات نے پاکستانی ادب پر گہرے اور دیرپا نقوش مرتب کیے ہیں۔ ان نظریات کے زیر اثر پاکستانی ادیبوں نے سماجی ناانصافی، طبقاتی تقسیم، غریبوں کا استحصال اور مزدوروں کے حقوق جیسے اہم موضوعات کو اپنی تحریر میں جگہ دی ہے۔ مارکس کے نظریات کی بنا پر ادبی دنیا میں ایک نئے شعور نے جنم لیا، جس نے ادیبوں کو سماجی مسائل کے بارے میں زیادہ حساس اور متحرک بنا دیا۔ مارکسیت کے فکری منظر نامے نے ادب اور سماج کے درمیان گہرا رشتہ استوار کرنے کی جدوجہد کی ہے۔ اس نے سماجی حقائق کی ہر روش کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی سعی کی ہے۔ مارکسی ادب عام انسانوں کی زندگی سے جڑا ہوا ہے۔ جو ان کے سیاسی، معاشی، سماجی اور اخلاقی پہلوؤں کو عیاں کرتا ہے۔ جن پاکستانی شعراء اور ادیبوں نے ادب میں سماجی سرگرمیوں اور معاشرتی زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے حقیقت پسندی کو پیش کیا ہے وہی ادب مارکسی ادب کے زمرے میں آتا ہے۔ مارکسیت سماج اور ادب دونوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مارکسی نظریہ جہاں دوسرے مکتب فکر پر اثر انداز ہوا ہے وہاں پاکستانی ادب بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

حوالہ جات

۱۔ ممتاز حسین، پروفیسر، مارکسی جمالیات، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص ۲۲

۲۔ محمد حسن، ڈاکٹر، مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 2000ء، ص 305

3۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، کاک آفسیٹ پرنٹر، دہلی، 2004ء، ص 122

4۔ ایضاً، ص 122

۵۔ ظہیر کاشمیری، مارکسی تنقید، مشمولہ: نظریاتی تنقید (مسائل و مباحث) ابوالکلام قاسمی، بیکن بکس، لاہور، 2015ء، ص 124

۶۔ فیض احمد فیض، دستِ صبا، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1982ء، ص 18

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، ص 521

۸۔ ممتاز حسین، پروفیسر، مارکسی جمالیات، ص 18